مقالات

توحید اور شرک

از افادات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ

توحید توحید کا اعتقاد، خیر و صلاح کی جڑ اور تمام اقسام خیرات کی اصل ہے۔ اس لیے کہ انسان میں رب العالمین کی خالص بندگی اسی سے پیدا ہوتی ہے، اور بندگی کا خلوص وہ چیز ہے جو کسب سعادت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور تکمیل انسانیت کی تدابیر میں سب سے زیادہ مفید تدبیر یعنی تدبیر علمی کی اصل ہے، اور اسی سے انسان کو غیب کی طرف توجہ تام حاصل ہوتی ہے اور اس کا نفس پاکیزہ ترین صورت سے عالم علوی کی طرف ترقی کرنے کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت جتانے کے لیے فرمایا ہے کہ جو حیثیت انسان کے جسم میں قلب کی ہے کہ اس کے بگڑنے سے سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور اس کے سنورنے سے سارا جسم سنور جاتا ہے وہی حیثیت انواع خیرات میں توحید کی ہے کہ وہ جس قدر زیادہ خالص اور صحیح اور مضبوط ہوگی اسی قدر انسان صداقت اور نیکی کے راستہ پر مستقیم ہوگا۔ جو شخص اس حال میں دنیا سے رخصت ہو کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھیراتا تھا، اس کے حق میں سرکار رسالتمآب نے بر سبیل اطلاق فرمایا ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا، اللہ نے اس پر آگ حرام کردی، اسے جنت سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ اللہ تعالی کی طرف سے حضور نے حکایۃً بیان فرمایا ہے کہ جو شخص میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ اگر گناہوں کا انبار لیے ہوئے بھی مجھ سے ملیگا تو میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس سے ملونگا۔

توحید کے چار مرتبے ہیں۔ ایک یہ کہ وجوب وجود کو صرف اللہ تعالی کے لیے مخصوص مانا جائے اور اس کے سوا کسی کو واجب الوجود نہ سمجھا جائے۔ دوسرے یہ کہ صرف اللہ ہی کو آسمانوں اور زمینوں اور تمام

جواہر کا خالق مانا جائے۔ یہ دو مرتبے تو ایسے ہیں جن پر آسمانی کتابوں میں بحث کرنے کی ضرورت پیش ہی نہیں آئی، اس لیئے کہ یہود و نصاریٰ تو درکنار مشرکین عرب کو بھی ان سے اختلاف نہ تھا۔ قرآن حکیم تصریح کرتا ہے کہ یہ مقدمات اُن کے نزدیک بھی مسلّم تھے، چنانچہ فرمایا۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (العنکبوت: ٦)

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو مسخر کیا تو وہ ضرور کہینگے کہ وہ اللہ ہے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (العنکبوت: ٦)

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ سے زمین کو مرجانے کے بعد پھر زندگی بخشی تو وہ ضرور کہیں گے کہ وہ اللہ ہے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (الزخرف: ٧)

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے تم کو پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ آسمان و زمین کی تدبیر بھی صرف اللہ تعالیٰ سے متعلق سمجھی جائے اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق نہ ٹھیرایا جائے۔ یہ دونوں مرتبے باہم متلازم ہیں، اور ان کے درمیان ایسا طبعی رابطہ ہے کہ جو تیسرے مرتبہ کو مانیگا وہی چوتھے مرتبہ میں بھی ثابت اور مستقیم ہوگا۔ اختلاف جو کچھ ہوا ہے انہی مرتبوں میں ہوا ہے، اور اختلاف کرنے والے بیشمار فرقوں میں تین فرقے سب سے بڑے ہیں۔

کواکب پرست اس طرف گئے کہ تارے اور سیارے عبادت کے مستحق ہیں، اور دنیا میں ان کی عبادت نفع بخش ہے، اور حاجات کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا درست ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو تحقیق ہوگیا ہے کہ رات دن کے حوادث اور انسان کی سعادت و شقاوت اور صحت و سقم میں ان کا اثر بہت بڑا ہے، اور وہ مجرد ذی عقل نفوس رکھتے ہیں جو ان کو حرکت دے رہے ہیں، اور وہ اپنے عبادت گزاروں سے غفلت

نہیں کرتے۔ انہی اعتقادات کی بنا پر انہوں نے کواکب کے لیے ہیکل بنائے اور ان کی پرستش کی۔

مشرکین اس حد تک تو مسلمانوں سے متفق ہیں کہ بڑے بڑے امور کی تدبیر اللہ ہی کرتا ہے اور فیصلے اسی کے اختیار میں ہیں اور کسی غیر کے لیے اختیار کلی نہیں ہے، مگر ان کا گمان یہ ہے کہ ان سے پہلے جو صالحین گذرے ہیں انہوں نے اللہ کی بندگی و عبادت کرکے اس کے ہاں ایسا تقرب حاصل کر لیا کہ اللہ نے ان کو الوہیت عطا کردی، اور وہ دوسرے بندگان خدا کی پرستش کے مستحق ہو گئے۔ گویا ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شہنشاہ کی خدمت بڑی عمدگی سے بجا لائے یہاں تک کہ شہنشاہ اس کو خلعت پادشاہی عطا کردے اور اپنی مملکت کے کسی حصہ کی تدبیر اس کے سپرد کرے۔ اب چونکہ وہ شہنشاہ کا مقرر کیا ہوا فرمانروا ہے اس لیے اس حصہ کے رہنے والوں پر اس کی بندگی واجب ہے۔ اسی تخیل کے تحت وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی عبادت اُس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک کہ ان بزرگوں کی عبادت بھی اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ بلکہ بعض لوگ تو اس حد تک بڑھ گئے کہ حق تعالیٰ ہم سے اس قدر بلند و برتر ہے کہ کسی عبادت سے ہم اس تک تقرب حاصل نہیں کر سکتے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ناگزیر ہے کہ جو اُس سے تقرب حاصل کر چکے ہیں ان کی جناب میں رسائی پیدا کرلی جائے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ بزرگ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، اپنے پرستاروں کی سفارشیں کرتے ہیں۔ ان کی حاجت روائی اور نصرت و اعانت کرتے ہیں، اور معاملات کی تدبیر انہی سے متعلق ہے۔ اسی خیال سے انہوں نے پتھر کی مورتیں ان کے نام پر بنائیں اور ان بزرگوں کی ارواح کی طرف توجہ کرنے کے لیے ان آدمی صورتوں کو وسیلہ بنایا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ ان بتوں ہی کو اصل سمجھنے لگے اور خود انہی کو معبود اور حاجت روا قرار دے بیٹھے۔

نصاریٰ اس طرف گئے کہ مسیح علیہ السلام کو اللہ سے ایسا تقرب اور حق پر اتنا علو حاصل ہے کہ ان کو بندہ قرار دینا اور دوسرے بندوں کے برابر کر دینا درست نہیں اس لیے کہ یہ ان کے ساتھ بے ادبی اور ان کے تقرب من اللہ کا ابطال ہے۔ پھر اسی تخیل میں وہ آگے بڑھے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے

مسیح کی اس خصوصیت کو تعبیر کرنے کے لیے "ابن اللہ" کا لفظ پسند کیا، اس اعتبار سے کہ باپ اپنے بیٹے پر خاص نظر عنایت رکھتا ہے اور اپنی آنکھوں میں رکھ کر اس کی تربیت کرتا ہے اور اس کا مرتبہ غلاموں سے برتر ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے ان کے لیے "اللہ" کا نام زیادہ مناسب سمجھا کیوں کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اُن کے اندر حلول کر گیا تھا اور اسی بنا پر ان سے وہ آثار ظاہر ہوتے تھے جو کبھی کسی بشر سے ظاہر نہیں ہوئے مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور پرندوں کو پیدا کرنا۔ لہٰذا انہوں نے گمان کیا کہ مسیح کا کلام خدا کا کلام ہے اور ان کی عبادت خدا ہی کی عبادت ہے۔ اس کے بعد جو لوگ آئے انہوں نے وجہ تسمیہ کو فراموش کر دیا اور "بیٹے" کے لفظ کو حقیقی معنوں میں لینے لگے یا یہ سمجھ بیٹھے کہ مسیح من جمیع الوجوہ واجب تعالیٰ ہیں۔

ان تینوں فرقوں کے پاس بہت لمبے چوڑے دعوے اور عجیب عجیب خرافات ہیں جو جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ اور چونکہ توحید کے انہی آخری دونوں مراتب کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ تمام گمراہیاں پیدا ہوئیں اس لیے قرآن عظیم نے تمام تر انہی سے بحث کی ہے اور کافروں کے ایک ایک شبہ کو پوری طرح رد کیا ہے۔

حقیقت شرک سب سے پہلے یہ سمجھ لو کہ عبادت سے مراد انتہا درجہ کا تذلل ہے۔ اور کسی تذلل کا دوسرے تذلل کے مقابلہ میں بڑھا ہوا ہونا دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ بلحاظ صورت ظاہری ہوگا مثلاً ایک تذلل بصورت قیام ہو اور دوسرا بصورت سجود۔ یا پھر وہ نیت کے لحاظ سے ہوگا مثلاً یہ کہ ایک فعل میں اُس تعظیم کی نیت کی جائے جو بندے اپنے مولیٰ کی کرتے ہیں اور دوسرے فعل میں اس تعظیم کی نیت جو رعیت اپنے بادشاہ کی کرتی ہے اور تیسرے فعل میں وہ تعظیم مقصود ہو جو شاگرد اپنے استاد کی کرتے ہیں۔ ان دو شقوں کے سوا کوئی تیسری شق نہیں ہے۔ پھر جب یہ ثابت ہے کہ ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو اور برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا، اور سجدہ، تعظیم کی صورتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کی صورت ہے تو لازم آیا کہ مدارج کا یہ امتیاز در اصل نیت ہی کی بنا پر ہو لیکن در اصل یہ معاملہ تنقیح کا طالب ہے، لہٰذا اب ہم اس کی تنقیح کرتے ہیں۔

تذلل کی حقیقت پر غور کرو۔ وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ جو شخص کسی کے مقابلہ میں تذلل اختیار کرتا ہے وہ اپنے اندر ضعف اور اس کے اندر قوت دیکھتا ہے۔ اپنے میں خست اور اس میں شرف پاتا ہے۔ اپنے اندر انقیاد اور تخشع پیدا کرتا ہے اور اس کے اندر تسخیر و نفاذ حکم کی طاقت تسلیم کرتا ہے پس تذلل کی حقیقت ہی یہی ہے کہ وہ قوت کے مقابلہ میں ضعف اور شرف کے مقابلہ میں خست اور تسخیر و نفاذ حکم کے مقابلہ میں انقیاد و تخشع ہے۔ اب دیکھو کہ قوت اور شرف اور تسخیر اور ایسے ہی دوسرے کمالات کے متعلق انسان کے تصورات کیا ہیں۔ وہ اپنے اندر لامحالہ اس امر کا ادراک پاتا ہے کہ ان سب کمالات کے دو مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ تو وہ ہے جو انسان کے لائق ہے یا ان چیزوں کے لائق ہے جو انسان کی طرح اس عالم حدوث و امکان میں ہیں۔ اور دوسرا مرتبہ یا تو اس ہستی کے لائق ہے جو حدوث و امکان سے بالکلیہ بالاتر ہو، یا پھر اُس کو حاصل ہو سکتا ہے جس کی طرف اس بالا و برتر ہستی کی کچھ خصوصیات منتقل ہوگئی ہوں۔ مثال کے طور پر غیب کے علم کو لے لو۔ انسان اس کے دو درجوں میں صاف طور پر امتیاز کرتا ہے۔ ایک درجہ کا علم غیب وہ ہے جو فکر و نظر اور ترتیب مقدمات سے یا حدس سے یا خواب کی حالت میں یا بہرحال کسی ذریعہ اور واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسرے درجہ کا علم علم ذاتی ہے، یعنی ایسا علم جو ذاتِ عالم کا مقتضی ہو، نہ یہ کہ وہ ایسے کسی دوسرے سے حاصل کرے یا اس کے اکتساب کے لیے کوشش کرے۔ اسی طرح تاثیر اور تدبیر اور تسخیر غرض جو لفظ بھی اس معنی کے لیے تم بولوگے، اس کے بھی دو الگ الگ درجوں کا انسان کو ادراک ہوتا ہے۔ ایک درجہ وہ جو مباشرت کے معنی میں ہے، جوارح اور قوتوں کے استعمال سے اور کیفیات مزاجیہ کی مدد سے حاصل ہوتا ہے اور جس کی استعداد کسی نہ کسی طور پر انسان اپنے اندر پاتا ہے۔ اور دوسرا درجہ وہ جو تکوین کے معنی میں ہے یعنی ایسی تدبیر و تاثیر جو کسی چیز سے مدد لیے بغیر، کسی کیفیت جسمانیہ کے توسط کے بغیر محض موثر و مدبر کے ارادہ کے تحت حاصل ہو۔ اسی کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ

کُنْ فَیَکُوْنُ" یعنی اللہ کا کام اس طرح ہوتا ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتا ہے" یہی حال شرف اور عظمت اور قوت کا ہے۔ انسان اس کے بھی دو مختلف درجوں میں لامحالہ تمیز کرتا ہے۔ ایک درجہ ایسی عظمت اور بزرگی کا ہے جیسی بادشاہ کو رعیت کے مقابلہ میں اور پہلوان کو کمزور کے مقابلہ میں اور استاد کو شاگرد کے مقابلہ میں حاصل ہوتی ہے کہ ان سب کا مرجع اسباب و ذرائع کی طرف ہے، اور اصل شئے کے اعتبار سے ہر انسان اپنے آپ کو اس کے لائق پاتا ہے۔ اور دوسرا درجہ وہ ہے جو بجز ایسی ہستی کے کسی میں نہیں پایا جاتا جو بہت ہی بالا و برتر ہو۔

غرض اس راز کی تفتیش میں تم آگے بڑھتے چلے جاؤ یہاں تک کہ تم کو یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے گا کہ جو شخص بھی سلسلۂ امکان کا ایک ایسی ہستی پر ختم ہونا تسلیم کرتا ہے جو غیر کی محتاج نہ ہو، وہ اضطراری طور پر ان تمام صفات کمالیہ و مدحیہ کو دو درجوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ درجہ جو اُس ہستی کے لیے اور دوسرا وہ درجہ جو انسان اور اس کے مرتبہ کی ہستیوں کے لیے ہے۔ اب دیکھو کہ غلطی کہاں واقع ہوتی ہے۔ دل تو ان دونوں درجوں کے لیے جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں وہ باہم متقارب ہیں اس لیے آسمانی کتابوں کے نصوص کو اکثر غلط معنی پر محمول کرنے کا موقع نکل آتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب کبھی کسی انسان یا روح یا فرشتے سے کسی ایسے امر کے صدور پر انسان مطلع ہوتا ہے جس کو وہ اُس جیسی ہستی سے مستبعد سمجھتا ہو تو وہ پریشانی میں پڑ جاتا ہے اور جہالت کی بنا پر اُس کی طرف خدائی بزرگی اور الٰہی تسخیر کو نسبت دینے لگتا ہے۔ پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ بالاتر درجہ کی معرفت میں سب لوگ یکساں نہیں ہیں۔ ایک شخص ان انوار کی قوت سے جو مواقید پر محیط اور غالب ہیں حقائق پر چھا جاتا ہے اور انھیں ٹھیک ٹھیک پہچان لیتا ہے، مگر دوسرا شخص اتنی قوت نہیں رکھتا۔ تکلیف جو کچھ بھی ہے انسان کی استطاعت کے لحاظ سے ہے، لہٰذا جو شخص زیادہ بڑے درجہ کی معرفت پر قادر نہیں وہ اس کے لیے مکلف بھی نہیں یہی تاویل ہے اس حکایت کی جو صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ ایک بندۂ

خدا نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کے خوف سے اپنے گھر والوں کو وصیت کی تھی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دیں اور اس کی راکھ کچھ پانی میں بہا دیں اور کچھ ہوا میں اڑا دیں تاکہ وہ بعث بعد الموت سے بچ جائے۔ یہ شخص یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ قدرت تامہ سے متصف تو ضرور ہے مگر قدرت ممکنات میں ہے نہ کہ ممتنعات میں اور اس کا گمان یہ تھا کہ جو راکھ پانی اور ہوا میں منتشر ہو چکی ہے اس کو جمع کرنا ممتنع ہے۔ اس کا یہ خیال اگرچہ حقیقت کے لحاظ سے غلط تھا، مگر اس کو کافر نہیں قرار دیا گیا، کیونکہ قصور دراصل اس کی فہم کا تھا، اور اس پر جو کچھ بھی محاسبہ ہونا تھا اس کی استعداد علمی ہی کے لحاظ سے ہونا تھا۔

انہی وجوہ سے اللہ تعالیٰ کو بندوں سے تشبیہ دینے، اور بندوں کو خدا کے درجہ میں لے جانے کی غلطی پیش آئی ہے۔ کہیں خدا کی طرف ایسے نقائص اور عیوب منسوب کیے گئے جو دراصل مخلوقات کی خصوصیات میں سے ہیں۔ کہیں نجوم و کواکب کو ایسی صفات سے متصف ٹھیرایا گیا جو خدا کے لیے مخصوص ہیں۔ اور کہیں بت اللہ کے صالح بندوں کو خدائی کا درجہ دیا گیا محض اس لیے کہ ان سے خوارق عادات یعنی کشف اور استجابت دعا کا ظہور ہوا تھا۔ ہر نبی جو کسی قوم میں مبعوث ہوا۔ اس کا کام یہی تھا کہ لوگوں کو شرک باللہ کی حقیقت سمجھائے، اور دونوں درجوں کو ایک دوسرے سے ممیز کر دے اور توحید کی اس طرح تعلیم دے کہ ذات مقدسہ واضح طور پر الگ ہو کر واجب تعالیٰ کی ذات میں محصور کر دیا جائے، اگرچہ الفاظ باہم متقارب ہی کیوں نہ رہیں؛ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب سے فرمایا کہ تو محض رفیق ہے، اصل طبیب اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مگر جب وہ نبی گذر گیا اور اس کے اصحاب اور اس کے دین کے حامل بھی رخصت ہو گئے تو اس کے بعد ناکارہ نسلیں اٹھیں جنہوں نے اللہ کی عبادت کو چھوڑ دیا اور شہوات کی پیروی شروع کر دی۔ یہ لوگ ان متشابہ الفاظ کو جو نصوص میں استعمال ہوئے تھے ایسے معنی پر محمول کرنے لگے جو دراصل ان سے مراد نہ تھے، مثلاً انہوں نے اُس محبوبیت اور شفاعت کو جسے اللہ تعالیٰ نے تمام شرائع میں اپنے خاص بندوں کے لیے ثابت کیا ہے غلط معنوں میں لے لیا۔ اسی طرح انہوں نے

خرق عادات اور اشراقات کے صدور کو اس امر پر محمول کیا کہ علم اور تسخیر کا وہ درجہ جو خدا کے لیے خاص ہے اُس شخص کی طرف منتقل ہوگیا ہے جس سے ان کا صدور ہوا ہے۔ حالانکہ درحقیقت ان سب چیزوں کا مرجع وہ ناسوتی یا روحانی قوتیں ہیں جو ایک طور سے تدبیر الٰہی کے نزول کا واسطہ بنتی ہیں۔ ایجاد اور خلق و تدبیر وغیرہ امورِ مختص باللہ میں ان کا ذرہ برابر کوئی دخل نہیں۔

اس مرض کے بیماروں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان میں بعض تو وہ ہیں جو اللہ کے جلال کو بالکل ہی بھول چکے ہیں اور خدا شناسی سے کچھ ایسے بیگانہ ہوئے ہیں کہ بس شرکا ہی کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کی طرف اپنی حاجتیں لے جاتے ہیں، اور اللہ کی طرف اصلاً کوئی توجہ نہیں کرتے، اگرچہ نظری حیثیت سے یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ سلسلۂ وجود کی انتہا اللہ ہی کی ذات پر ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ سردار اکبر اور مدبّر اعلیٰ تو اللہ ہی ہے مگر وہ اپنے کسی مقرب بندے کو شرف اور الوہیت کی خلعت سے سرفراز کر دیتا ہے، اور اسے بعض خاص امور میں تصرف کے اختیارات بخش دیتا ہے اور اپنے بندوں کے حق میں اس کی سفارشیں سنتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صورت معاملہ قریب قریب ایسی ہے جیسے ایک شہنشاہ اپنی سلطنت کے ایک ایک خطہ میں ایک ایک چھوٹا بادشاہ مقرر کرتا ہے اور بڑے بڑے معاملات کو اپنے لیے مخصوص کر کے باقی معاملات کی تدبیر ان چھوٹے بادشاہوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ لوگ جس بندۂ خدا کے متعلق اس طرح کے اعتقادات اپنے دل میں قائم کر لیتے ہیں اس کو خدا کا بندہ کہتے ہوئے ان کی زبانیں رکتی ہیں، کیوں کہ اُسے عام بندوں کے ساتھ مساوی کر دینے کو وہ اس کی اہانت سمجھتے ہیں۔ یہی خیال ہے جس کی بنا پر انہوں نے کسی کو ابن اللہ اور کسی کو محبوب الٰہی کے ناموں سے موسوم کیا اور اپنے آپ کو ان بندوں کا بندہ قرار دیا اور اپنے نام عبدالمسیح اور عبدالعزیٰ وغیرہ رکھے۔ یہی مرض ہے جس میں عام طور پر یہود و نصاریٰ اور مشرکین مبتلا ہوئے اور اسی مرض میں آج کل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض منافقین مبتلا نظر آتے ہیں۔

چونکہ شریعت کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز میں برائی کا گمان ہو اس کو اصل برائی کے مانند سمجھا جاتا ہے اور اصل برائی ہی کی طرح اس کی ممانعت کی جاتی ہے، اس لیے ہر اس عمل کو کفر قرار دیا گیا ہے جس کی محسوس صورت مشرکین کے عمل سے ملتی جلتی ہو اور جس میں شرک کا مظنّہ پایا جاتا ہو چاہے اس میں درحقیقت شرک کی نیت نہ ہو۔ مثال کے طور پر بتوں کے سامنے سجدہ کرنا اور ان کے نام کی قسم کھانا کفر ہے، اگرچہ ان افعال کا فاعل اپنے دل میں توحید کا قائل اور نیت کفر سے بالکل پاک ہی کیوں نہ ہو اس علم کا دروازہ مجھ پر اس وقت کھلا جب مجھے بتایا گیا کہ بعض لوگ ایک قسم کی مکھی کو سجدہ کرتے ہیں جو زہریلی ہے اور اپنی دم اور پروں کو ہر وقت حرکت دیتی رہتی ہے میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ فی الواقع کیا ان کے اندر شرک کی تاریکی موجود ہے، اور کیا گمراہی ان پر پوری طرح چھا گئی ہے؟ دل نے جواب دیا کہ میں تو ان میں یہ چیز نہیں پاتا کیونکہ یہ تو اس مکھی کو قبلہ بناتے ہیں اور تذلّل کے ایک درجہ کو دوسرے درجے سے خلط ملط نہیں کرتے۔ اس کے بعد اصل راز کی طرف مجھے ہدایت بخشی گئی اور میرا دل اس علم سے بھر دیا گیا کہ شریعت نے اصل شرک کی طرح مظنّۂ شرک کو بھی حرام قرار دیا ہے، اور عبادت کی تمام ظاہری صورتوں کو بھی اصل عبادت کی طرح خدا کے لیے خاص کر دینے کا حکم دیا ہے، تاکہ لوگ صورت شرک سے حقیقت شرک تک پہنچ جانے کے خطرے سے محفوظ ہو جائیں۔

اقسام شرک | شرک کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی بزرگ شخص کے متعلق یہ اعتقاد رکھے کہ اس سے جن آثار عجیبہ کا صدور ہوا ہے، وہ دراصل اس بنا پر اس سے صادر ہوئے ہیں کہ وہ ان صفات کمالیہ میں سے کسی صفت سے متصف ہو گیا ہے جو انسان کے لیے سزاوار نہیں بلکہ حق جل مجدہ کے لیے مختص ہیں، اور ذات حق کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جا سکتیں الا یہ کہ خود حق تعالیٰ ہی اپنے سوا کسی اور کو خلعت الوہیت سے سرفراز کر دے، یا اس کو اپنی ذات میں فنا کر کے اپنی ذات سے باقی کر دے۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے خرافات جن پر اس قسم کے اعتقادات رکھنے والے ایمان لاتے ہیں، سب کے سب شرک کی حقیقت میں

داخل ہیں مثال کے طور پر حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین اس طرح تلبیہ کرتے تھے کہ لبیک لبیک لا شریک لک الا شریکاً ھو لک تملکه وما ملک (لبیک لبیک، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس شریک کے جو تیرا ہے اور تو مالک ہے اس کا بھی اور ان چیزوں کا بھی جن کا وہ مالک ہے) اس طرح عرب کا مشرک خدا کے ساتھ ساتھ اپنے ٹھیرائے ہوئے شریک کے سامنے بھی انتہا درجہ کا تذلُّل پیش کرتا تھا اور اُس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا تھا جو بندے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتے ہیں۔

شرک کی یہ روح بہت سے قالب اور طرح طرح کے پیکر اختیار کرتی ہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی تعلیم کا اصل مقصد روح شرک کو مٹانا ہے تاکہ وہ کوئی قالب اور کوئی پیکر اختیار ہی نہ کر سکے۔ لیکن شریعت (یعنی قانون اسلام) چونکہ تدبیر کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ اس لیے وہ خاص طور پر اس کے اُن قالبوں پر حملہ کرتی ہے جن کو عام طور پر لوگ شرک کی نیت سے اختیار کرتے رہے ہیں اور جن کا رابطہ رواج عام کی بدولت روح شرک کے ساتھ ایسا قوی ہو گیا ہے کہ نیت شرک کے بغیر بھی اگر ان کو اختیار کیا جائے تو ان میں مظنۂ شرک ضرور ہے۔ شریعت ایسی تمام عملی صورتوں کو حرام قرار دیتی ہے، کیونکہ یہ بات اس کے اصول میں سے ہے کہ وہ ہر چیز کی علت متلازمہ کو وہی حیثیت دیتی ہے جو خود اس چیز کی حیثیت ہو۔ مصلحت کی علت متلازمہ خود مصلحت کے پہلو میں جگہ پائے گی، اور مفسدہ کی علتِ متلازمہ کو عین مفسدہ کا قائم مقام سمجھا جائے گا۔

اب ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں کن کن امور کو مظنۂ شرک قرار دے کر ممنوع ٹھیرایا ہے۔

(۱) مشرکین بتوں اور کواکب کے آگے سجدہ کرتے تھے۔ اس لیے حکم ہوا کہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اُس خدا کو

لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ (حم السجدۃ: ۵) جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

چونکہ سجدہ میں شرک کرنا تدبیر میں شرک کرنے کے ساتھ متلازم ہے اور رہا ہے اس لیے موخرالذکر سے بچانے کی خاطر مقدم الذکر کو سختی کے ساتھ روک دیا گیا۔ بعض متکلمین نے گمان کیا ہے کہ توحید عبادت دراصل اللہ تعالیٰ کے ان احکام میں سے ایک حکم ہے جو اختلاف ادیان و شرائع کے ساتھ ساتھ مختلف ہوتے رہے ہیں، اور جن کی بنا کسی دلیل پر عائد نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ تخلیق و تدبیر میں اپنی یکتائی و لاشریکی کو بطور دلیل پیش کرکے مشرکین کو شرک فی العبادۃ پر ملزم نہ ٹھیراتا۔ جیسا کہ سورۂ نمل کے پانچویں رکوع میں وہ ان کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ "بتاؤ" اللہ بہتر ہے یا تمہارے وہ معبود جن کو تم اس کا شریک ٹھیراتے ہو؟ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسا کر خوشنما باغ لگا دیے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں نہریں جاری کیں اور اس کو ٹھیرانے کے لیے اٹل پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان حد فاصل لگا دی؟ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی خدا ان کاموں میں شریک ہے؟" یہ استدلال جو قرآن میں پیش کیا گیا ہے دراصل الزامی استدلال ہے چونکہ مشرکین خود معترف تھے کہ تخلیق اور امور عظام کی تدبیر میں اللہ کا کوئی شریک نہیں، اور یہ بھی ان کو تسلیم تھا کہ عبادت ان دونوں چیزوں کے ساتھ متلازم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود انہی کے مسلمات سے ان پر حجت قائم کی اور ثابت کر دیا کہ عبادت میں غیر کو شریک کرنا در اصل تدبیر و تخلیق میں غیر کو شریک سمجھنے کا لازم و ملزوم کا رشتہ رکھتا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا ایک کو روکنے کے لیے دوسرے کو روکنا ضروری ہے۔

(۲) مشرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے مدد مانگتے تھے[1]۔ کوئی بیمار ہوتا تو ان سے دعا کرتے کہ

---

[1] استعانت بغیر اللہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے عجیب عجیب دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۶

اسے اچھا کر دو۔ کوئی تنگ دست ہوتا تو ان سے التجا کرتا کہ مجھے مالدار بنا دو۔ کسی پر کوئی آفت آتی تو ان کو پکارتا کہ میری مدد کرو۔ وہ ان کے لیے نذر و نیاز کرتے اور توقع رکھتے تھے کہ ان نذروں اور نیازوں سے ان کے مقاصد حاصل ہوں گے۔ وہ ان کے نام جپتے اور امید رکھتے تھے کہ ان ناموں سے برکت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو ممنوع کر دیا، اور حکم فرمایا کہ اپنی نمازوں میں بار بار اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)۔ کا اعادہ کرتے رہو۔ نیز فرمایا کہ لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ (خدا کے ساتھ کسی کو نہ پکارو) اس ارشاد میں دعا سے مراد عبادت نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے، بلکہ دراصل استعانت مراد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰىکُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ کُنْتُمْ　　اے نبی ان سے کہو کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر آ جائے یا قیامت آ موجود ہو تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے

تکملہ حاشیہ صفحہ ۲۵ جس طرح پیاس میں پانی سے استعانت کرنا اور مرض میں دوا سے استعانت کرنا شرک نہیں ہے، اسی طرح اپنی حاجات اور اپنے مقاصد میں بزرگوں سے استعانت کرنا بھی شرک نہیں، لیکن یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری حاجات و ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنے قانون فطرت کے تحت جو اسباب و وسائل پیدا کیے ہیں، ان سے کام لینا، اور ہر مقصد کے لیے ان اسباب کو استعمال کرنا جو سنت اللہ کے مطابق اس مقصد کے لیے مقرر کیے گئے ہیں یقیناً شرک نہیں بلکہ قانون الٰہی کا عین مقتضیٰ ہے مگر اس سلسلۂ اسباب و مسببات سے ہٹ کر اور قانون طبعی کو نظر انداز کر کے بزرگوں کی ارواح کی طرف رجوع کرنا اس امید کے ساتھ کہ وہ فوق الطبعی طریقے سے تمہاری حاجت پوری کریں گے، یا تدبیر الٰہی کے ڈھنگ پر سلسلۂ اسباب کو حرکت دیں گے یقیناً شرک ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس مضمون کی ابتدا میں تسخیر و تدبیر اور تاثیر کے جن دو درجوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان پر غور کرنے سے اس طریق استدلال کی غلطی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ارواح اولیاء کو پہلے درجے میں صاحب تسخیر و تدبیر سمجھتا ہے تو وہ مشرک تو نہیں مگر اندھا اور غیر ذی عقل ضرور ہے اس لیے کہ حضرات اس دنیا سے گذر چکے ہیں ان کا اس عالم مادی کے ساتھ تعلق باقی نہیں رہا ہے اور کوئی صاحب ہوش ان کو اس پہلے درجہ میں مدبر و موثر نہیں سمجھ سکتا۔ اور اگر کوئی شخص دوسرے درجہ یعنی درجۂ عالیہ و مقدسہ میں ان کو موثر و مدبر مانتا ہے تو اس کے مشرک ہونے میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ ترجمان القرآن

صَادِقِيْنَ - بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ (الانعام: ۴)	اگر تم سچے ہو؟ نہیں بلکہ تم خدا ہی کو پکارو گے، پھر اللہ چاہے گا تو اس آفت کو دور کر دے گا جس کے لیے تم اسے پکارو گے اس وقت تم ان معبودوں کو بھول جاؤ گے جن کو شریک ٹھیراتے ہو۔
اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (الحج: ۱۰)	خدا کو چھوڑ کر جنہیں تم پکارتے ہو، وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ سب کے سب مل کر ہی کیوں نہ کوشش کریں۔ اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس کو چھڑا بھی نہیں سکتے طالب بھی کمزور ہے اور مطلوب بھی۔
وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (الاعراف: ۲۴)	اور جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے پر قادر نہیں ہیں بلکہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (الاعراف: ۲۴)	خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو۔ وہ یقیناً تم ہی جیسے بندے ہیں۔ پس ان کو پکار دیکھو۔ اگر تم سچے ہو تو وہ تمہاری فریاد کو پہنچیں۔

۳۔ مشرکین اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو اللہ کی اولاد قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے سختی کے ساتھ منع فرمایا خواہ یہ تسمیہ حقیقی نہیں بلکہ مجازی معنوں ہی میں کیوں نہ ہو۔ اس میں جو راز ہے اس کی تشریح ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔

۴۔ وہ اپنے احبار (علماء) اور رھبان (مشائخ) کو ارباب من دون اللہ بناتے تھے۔ اس معنی میں کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جو کچھ انہوں نے حلال ٹھیرا دیا ہے وہ نفس الامر میں حلال ہے اور اس کے ارتکاب میں کوئی خرابی نہیں، اور جو کچھ انہوں نے حرام ٹھیرا دیا ہے وہ درحقیقت حرام ہے اور اس کے ارتکاب

ان سے مواخذہ کیا جائے گا قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم کے سوال پر خود اس آیت کی تشریح فرمائی تھی کہ یہود و نصاریٰ اپنے احبار و رہبان کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام مانتے تھے اور یہی ان کا شرک تھا۔ اس میں راز یہ ہے کہ تحلیل اور تحریم در اصل وہ تکوین ہے جو عالم ملکوت میں نافذ کی جاتی ہے کہ فلاں چیز پر مواخذہ کیا جائے گا اور فلاں چیز پر نہ کیا جائے گا، پھر یہی تکوین سبب بن جاتی ہے مواخذہ اور ترک مواخذہ کا۔ اور یہ مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کے لیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو تحلیل و تحریم منسوب کی جاتی ہے وہ تو اس معنی میں ہے کہ آپ کا حلال اور حرام قرار دینا اللہ کی تحلیل و تحریم پر قطعی الدلالت ہے۔ رہے امت محمدیہ کے مجتہدین تو ان کی تحلیل و تحریم اللہ کی تحلیل و تحریم پر قطعی الدلالت نہیں، بلکہ وہ صرف اس بنا پر تسلیم کی جاسکتی ہے کہ یا تو وہ معتبر ذریعہ سے نصِ شارع پیش کریں، یا نصوص معتبرہ سے استدلال کر کے کوئی حکم مستنبط کریں۔ ان دونوں صورتوں کو چھوڑ کر مجرد کسی مجتہد کے قول کو حجت بنانا اور اسکی بنا پر کسی چیز کو حرام اور کسی چیز کو حلال مان لینا در اصل ان مجتہدین کو اربابٌ من دون اللہ بنانا ہے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی رسول کو بھیجے اور اس کی رسالت ثابت ہو جائے اور اس کے ذریعہ سے اللہ کسی ایسی چیز کو حلال ٹھیرائے جو لوگوں کے نزدیک حرام ہو پھر کوئی شخص اس حکم کو قبول کرنے میں اپنے اندر رکاوٹ محسوس کرے اور اس کے نفس میں اپنے سابق طریقہ کی وجہ سے اُس حلال کی حرمت کا خیال باقی رہ جائے، تو اس کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ وہ اس شریعت کے ثبوت ہی میں شک رکھتا ہو اس صورت میں وہ کفر بالنبوت کا مرتکب ہوگا۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ جس چیز کو وہ کسی انسان کے کہنے پر حرام سمجھتا ہے۔ اس کے متعلق اس کا اعتقاد یہ ہو کہ اس کی تحریم منسوخ نہیں ہو سکتی بدیں وجہ کہ اللہ نے اپنے اس بندہ کو خلعت الوہیت سے سرفراز کر دیا تھا۔ اور وہ اللہ کی ذات میں فانی اور اس کی ذات سے باقی ہو گیا تھا، اور اس کا کسی چیز سے منع کرنا یا کراہیت کرنا در اصل اللہ کا فعل ہے، اور اس کی خلاف ورزی

کرنے میں جان و مال کے زیان کا خطرہ ہے۔ اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو تو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اور غیر اللہ کے لیے وہ چیز ثابت کرتا ہے جو صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے۔

۵۔ مشرکین اپنے بتوں اور اپنے معبود ستاروں سے تقرب حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرتے تھے۔ اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ یا تو ذبح کرتے وقت ان کے نام لیے جاتے تھے، یا مخصوص قربان گاہوں پر قربانیاں کی جاتی تھیں[۱]۔ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو بھی حرام کر دیا۔

۶۔ مشرکین اپنے معبودوں کے نام پر جانور چھوڑ دیا کرتے تھے[۲]۔ اللہ نے اس کو بھی حرام کیا۔

۷۔ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ بعض بزرگوں کے نام مبارک اور باعظمت ہیں، اور جو شخص ان کی جھوٹی قسم کھاتا ہے اس پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر وہ اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے ان کے نام کی قسم کھایا کرتے تھے اور اپنے جھگڑوں میں فریق مقابل سے ان کے نام پر حلف اٹھواتے تھے۔ اللہ نے اس کو بھی حرام ٹھیرایا اور اللہ کے نبی نے فرمایا کہ جس نے خدا کے سوا کسی کی قسم کھائی اس نے خدا کے ساتھ شرک کیا۔ بعض محدثین نے اسکو تہدید و تغلیظ کے معنی پر محمول کیا ہے لیکن میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ میرے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ کسی امر گذشتہ کی شہادت دینے کے لیے، یا آئندہ کوئی فعل کرنے یا نہ کرنے کا یقین دلانے کے لیے غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے، کیونکہ اس کی تہ میں یا تو درحقیقت وہ اعتقاد ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، یا اگر وہ اعتقاد نہیں ہے تب بھی اس کا مظنہ ضرور ہے[۳]۔

۸۔ غیر اللہ کے لیے حج کرنا بھی مشرکین کے طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا۔ حج لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص مقام کو کسی بزرگ ہستی کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ سے متبرک سمجھا جائے اور اس ہستی سے

[۱] بزرگوں کے نام سے کھانے کو منسوب کرنا، اور ان کے نام پر کھانا پکا کر اسے متبرک سمجھنا، اور خاص خاص مقامات پر جا کر نیازیں اور نذریں چڑھانا بھی کسی طرح مشرکین کے اس فعل سے مختلف نہیں ہے۔

[۲] آج مسلمان بھی اس فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں، چنانچہ دکن میں بزرگوں کے نام پر بکرے چھوڑے جاتے ہیں۔

[۳] بزرگوں کے ناموں کی قسمیں کھانا بھی آج مسلمانوں میں عام ہے۔

تقرب حاصل کرنے کے لیے اس مقام کا قصد کیا جائے۔ اللہ کی شریعت میں اس کو بھی ممنوع کر دیا گیا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد۔ یعنی تبرک اور تقرب حاصل کرنے کی نیت سے جو سفر کیا جاتا ہے تین مسجدوں کے سوا کسی اور مقام کی طرف نہ کیا جائے، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ[1]

۹۔ مشرکین اپنے بچوں کو عبد الشمس اور عبد العزیٰ اور ایسے ہی دوسرے ناموں سے موسوم کرتے تھے اور اہل کتاب بھی ان کی تقلید اختیار کر کے عبد المسیح اور اسی قسم کے دوسرے نام رکھنے لگے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو صرف خدا ہی کا بندہ نہ سمجھتے تھے بلکہ ستاروں اور بزرگوں کا بھی بندہ سمجھتے تھے۔ نیز ان کا طریقہ یہ بھی تھا کہ اولاد ہونے کے لیے اپنے معبودوں اور بزرگوں سے دعا کرتے یا ان کی منتیں مانتے تھے۔ اور جب بچہ پیدا ہوتا تو اس کا نام اسی ہستی کے نام پر رکھ دیتے تھے جس کی منت مانی تھی گویا کہ یہ بچہ اسی کا بخشا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شرک اور حرام قرار دیا اور فرمایا کہ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الاعراف : ۷) یعنی جب اللہ ان کو چنگا بھلا بیٹا دیتا ہے تو وہ اس بخشش میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھیراتے ہیں۔ اللہ ان کے اس شرک سے بہت بلند و برتر ہے"۔ اسی بنا پر بکثرت احادیث میں وارد ہوا ہے کہ سرکار رسالتمآب نے اس قسم کے ناموں کو عبد اللہ اور عبد الرحمن جیسے ناموں سے بدل دیا[2]

[1] مشرکین عرب کے حج بغیر اللہ اور ہندوؤں کی جاتراؤں اور مسلمانوں کے سفر زیارت میں اصول کے اعتبار سے کونسا فرق ہے۔

[2] کیا آج مسلمانوں میں عبد الرسول اور عبد الحسین اور نبی بخش اور حسین بخش اور پیر بخش جیسے نام بکثرت نہیں رکھے جاتے؟ لطف یہ ہے کہ بعض لوگ عبد الرسول نام رکھنے کی تائید میں اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا۔ یعنی ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو اپنا بندہ کہہ کر پکاریں حالانکہ قرآن میں صاف فرمادیا گیا ہے کہ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۱

یہ ہیں وہ قالب اور وہ صورتیں جن میں شرک اپنی روح کا اظہار کرتا ہے۔ شریعت نے اسی بنا پر ان کو ممنوع کیا ہے کہ روح شرک ہمیشہ ان قالبوں میں ظہور کرتی رہی ہے پس یہ قطعی حرام ہیں خواہ ان میں شرک کی روح اور اس کی نیت ہو یا نہ ہو۔ حجۃ اللہ البالغہ

تکملہ حاشیہ صفحہ ۳: بلناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین (آل عمران ۸۰) یعنی کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ جب اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے تو وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ اس کا کام تو یہ کہنا ہے۔ کہ تم خدا پرست بن جاؤ۔

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح

تالیف جناب مولانا محمد ادریس صاحب کاندہلوی

مشکوٰۃ شریف علم حدیث کی مشہور مستند کتابوں میں سے ہے جس میں صحاح ستہ اور دوسری معتبر کتب حدیث کا عطر نکال کر رکھدیا گیا ہے فاضل مولف نے عربی زبان میں اس کی شرح لکھی ہے جس کے متعلق مولانا انور شاہ صاحب مرحوم ومغفور جیسے علامۂ اجل کی شہادت ہے کہ اب تک اس کتاب کی اس سے بہتر شرح نہیں لکھی گئی۔ اس میں پچھلی تمام شرحوں کی خوبیاں جمع کردی گئی ہیں اور ان پر حسب ذیل خصوصیات کا اضافہ کیا گیا ہے:۔

۱۔ اسرار شریعت اور حقائق و معارف اسلامیہ کے بیان کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔

۲۔ ہر باب کی ابتدا میں اس کے مضمون کے لحاظ سے تمام آیات قرآنیہ جمع کردی گئی ہیں تاکہ حدیث اور قرآن کے درمیان مطابقت واضح ہوجائے۔

۳۔ صحابہ و تابعین کے مذہب مفصل بیان کیے گئے ہیں اور اختلافی مسائل میں ائمۂ اربعہ کے مذاہب پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب فاضل مولف نے خود دمشق جاکر چھپوائی ہے کاغذ اور طباعت بہترین ہے چار جلدیں طبع ہوچکی ہیں دو جلدیں عنقریب چھپکر آنے والی ہیں قیمت عہ کلدار عسہ حالی علاوہ محصول ڈاک۔

دفتر ترجمان القرآن سے طلب فرمائیے